© rasailojaraid.com

تذکرۂ اکابرِ احرار

محترم سعید الرحمٰن علوی

فدائے احرار مولانا محمد گل شیر شہید رحمۃ اللہ علیہ

میرے والد بزرگوار مولانا محمد رمضان علوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عملی زندگی لگ بھگ ۱۹۴۱ء سے ۱۹۵۰ء تک ایسے گزری کہ چاروں طرف ضلع سرگودھا سابقہ شاہ پور کی معروف نون فیملی کا اثر ورسوخ تھا اور سیاسی و معاشی ہر لحاظ سے اس برادری کی گرفت مضبوط تھی۔ ۱۸۵۷ء کے پریشان کن حالات میں انگریز بہادر نے اپنی مصالح کے لئے جن خاندانوں کو نوازا اور ان پر نظرِ شفقت رکھی ان میں یہ خاندان بھی تھا۔ "رؤساء پنجاب" کے علاوہ ایم شبلی مرحوم کی کتاب "پاکستان کے دیہہ خدا" میں بھی اس کی تفصیل مل جائے گی۔ روایتی یونینسٹ حضرات ۱۹۴۷ء قریب آتا دیکھ کر اور اپنے آقائے ولی نعمت انگریز کا اشارہ پا کر اب تیزی سے مشرف بہ مسلم لیگ ہو رہے تھے اور ہر طرف پاکستان پاکستان کا شور بلند تھا۔ ابا جانؒ درویش خدامست تھے۔ دیوبند کی درسگاہ سے ان کا علمی رشتہ تھا۔ اور مجلسِ احرار سے وابستگی، مجلس کے روحِ رواں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری انہیں اپنے بچوں کی طرح چاہتے اور ابا جان بھی شاہ جی پر دل و جان سے فدا تھے۔ ایسے میں ممکن نہ تھا کہ وہ سامراجی قوتوں کی بندر بانٹ کی پالیسی کے حامی ہوتے۔ وہ بڑی استقامت اور بلند حوصلگی کے ساتھ اپنے سیاسی سفر پر رواں دواں تھے اور اپنے موقف پر ڈٹے ہوئے۔ علاقہ کے وہ خوشامدی عناصر جو بڑے نام نہاد وڈیروں کی خوشنودی کا بہت لحاظ رکھتے تھے ایک "ملا" کی اس جسارت پر بڑے برافروختہ تھے۔ انہوں نے ملک صاحبان کے کان بھرے کہ مولوی ہو کر سرکار کے سیاسی موقف کا دشمن ہے۔ ان احمقوں کو معلوم نہ تھا کہ "مولوی" تو کہتے ہیں "اللہ والے" کو، سرکار پرست کو نہیں۔ بہرحال ملک صاحبان نے سنا تو پیچ و تاب کھا کر رہ گئے۔ محاسبہ کریں تو کیسے؟ اس درویش کا دامن پاک و صاف تھا اور وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اپنے گھریلو اور علمی اکابر و اساتذہ کی حُسنِ تربیت کے صدقہ، ہر تہمت سے پاک، اس لئے اس پر انگلی اٹھانا ممکن نہ تھا۔ لیکن شیطان بھی تو اپنے دوستوں کو مُفت کے مشوروں سے نوازتا ہے۔ ایسے ہی مشوروں سے متاثر ہو کر ملک فیروز خان نون مرحوم کے ایک قریبی عزیز نے ابا جان سے بحث کی ٹھان لی۔ ڈھیر سارے خوشامدی اکٹھے کر لئے۔ ایک طرح کی مجلس مناظرہ کا اہتمام کر لیا گیا لیکن یکطرفہ، کہ والد گرامی تو تنہا تھے لیکن نہیں صاحب اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ تھا۔ سیاسی مسائل پر بحث شروع ہوئی تو بات مسلم لیگ اور اس کے قائد مسٹر محمد علی جناح اور پاکستان پر آ کر ٹھہری۔ ابا جان نے کہا "ملک صاحب! آپ کا پورا علاقہ تو پہلے ہی پاکستان کہلانے کا مستحق ہے کہ مسلمان عظیم اکثریت میں ہیں اور سب کچھ آپ کے پاس ہے لیکن حیرت ہوتی ہے کہ آپ مسلمانوں سے ہمدردی کا یہ عالم ہے کہ اپنی چھوٹی بڑی ملازمتوں پر آپ نے ہندوؤں کو مقرر کر رکھا ہے۔ مٹھی بھر ہندو جو یہاں بستے ہیں آپ کے کرتا دھرتا ہیں اور آپ کے فیض سے خوب فیض یاب ہو رہے ہیں۔ مسلمان بے چارہ منہ ہی تکتا رہتا ہے۔ وہ ہے تو محض آپ کے گھوڑے کے خرخرے کے لئے۔ شکار کے کتے کو نہلانے کے لئے اور ایسی ہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقدس ذریات کے لئے؟ اس کا سبب کیا ہے"؟ ملک صاحب بہت ذہین و فطین تھے۔ لیکن "مولوی" کے جال میں پھنس کر رہ گئے جواب دیا تو یہ کہ:

"مولانا صاحب! کیا کریں ہندو دیانت دار اور مسلمان بد دیانت"۔

مولانا نے فرمایا، واہ خوب، تھوڑے بہت "دیانت دار" تو آپ کو میسر ہیں اور جن کے ذریعہ آپ کے غلہ کے انبار سلامت رہتے ہیں آپ ان سے بھی اپنے آپ کو محروم کر رہے ہیں اور بد دیانتوں کا باڑہ یہاں بنوانا چاہتے ہیں؟ اس کے بعد آپ کے مسائل کا کیا ہوگا؟ ملک صاحب شرمندہ و نادم تھے اور ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

اس طول بیان شہید کا مقصد یہ تھا کہ آپ اس وطن کے وڈیروں کی ذہنیت اور ان کے مزاج و کردار کی ایک جھلک دیکھ لیں جو "قومے فروختند وچہ ارزاں فروختند" کے مصداق بہت سستا قوم کا سودا کرتے "مقامِ عظمت" پر فائز ہوئے اور نسلاً بعد نسل "اُمت رسول" پر مسلط ہو کر رہ گئے۔ ماحول ایسا بن گیا کہ محفل، ساقی، چرخ، ہفت طباقی، اوج بخت سب ان کا مقدر افروز پایا۔ ان حالات میں "گل شہیر شہید" جیسے جنونی سامنے آئے انہیں للکار، ان کی سازشیں طشت ازبام کیں اور انہیں ناکوں چنے چبوائے تو یہ محض توفیق الٰہی سے ہوا۔ اللہ نے اپنے کرم خاص سے کچھ بندوں کو اس کی توفیق دی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی سرزمین پر ہونے والے جبر کے خلاف سینہ سپر ہو جائیں۔ اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایران کی زمین پر قدم رکھنے پر جو ارشاد فرمایا تھا کہ:

"ہم اللہ تعالیٰ کی توحید کا علم بلند کرنے اور انسانوں کو انسانوں کی محکومی سے نکالنے کے لئے آئے ہیں"۔

اس کی روشنی میں آگے بڑھ کر حکومت الٰہیہ کیلئے سرگرم عمل ہو جائیں۔ تاکہ اللہ کی زمین پر اللہ کا نام بلند ہو اور "در جہاں محتاج باشد نہ کس" والی شریعت مطہرہ کا علم بلند کر سکیں اس مقصد کیلئے اس دھرتی پر اور بھی بہت سے حلقے قائم ہوئے۔ جماعتیں ابھریں اور گروپ معرضِ وجود میں آئے۔ لیکن اس حوالے سے "مجلس احرارِ اسلام" کو جو شرف و امتیاز حاصل ہے اس کو جھٹلانا ممکن نہیں۔

رواں صدی کے تیسرے عشرے کے آخری ایام میں لاہور میں "قافلہ احرار" مرتب و منظم ہوا تو ہندوستان بھر کے ایثار پیشہ کارکن اس کے سٹیج پر آ گئے۔ ویسے تو ہندوستان کے ہر خطہ میں ایسے لوگوں کی کمی نہ تھی جو انگریزی مفادات کے لئے سب کچھ کر گزرتے تھے۔ لیکن پنجاب کو انگریز کے "بازوئے شمشیر زن" کی حیثیت حاصل تھی۔ جس کی مائیں ایسے گبھرو جوان جنم دے رہی تھیں جن کی جوانیاں اور قوتیں غیروں کے لئے وقف تھیں۔ ۱۸۵۷ء ہو یا ۱۹۱۴ء کی پہلی جنگ یا دوسری یا کوئی اور موقع۔ یہ جوان اپنی جوانیاں لٹاتے نظر آتے اور ان کے کٹے ہوئے سروں کی سیڑھیوں کے ذریعے اس علاقہ کے وڈیرے انگریز کے دربار میں مزید بلندی و عظمت حاصل کرتے۔ ان کی جائیدادوں میں اضافہ ہوتا، جاگیر بڑھتی اور بہت کچھ ملتا۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس خطہ کو "شومی ہائے کفر آبادِ پنجاب" قرار دیا اور کہا کہ میں نے اس طرح کی "مردود و مرتاب" دھرتی نہیں دیکھی۔ یہاں کے رئیس نواب وہ کتے ہیں جو اپنی قوم کو کاٹ کاٹ کر کھا رہے ہیں اور نسلاً بعد نسل اپنے اقتدار کے استحکام کی فکر میں ہیں۔ آج جبکہ بیسویں صدی اپنے اختتام کی طرف تیزی سے رواں دواں ہے اور اسلام کی بلندی کے لئے بننے والی واحد نظریاتی مملکت میں "دیہہ خدا" اب بھی مؤثر ہے۔ تو جب احرار کا قافلہ مرتب ہوا اس وقت کیا حال ہوگا؟ ساتھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سال کا عرصہ گزر گیا اس دوران یہ طبقہ انگریز کی ضرورت رہا۔ بانیٔ پاکستان محمد علی جناح کی جیب میں کھوٹے سکے کی طرح موجود رہا اور اُن کی قیادت کے لئے ناگزیر تو ایوب خان، ذوالفقار علی بھٹو اور ضیاء الحق سب کے لئے یہ طبقہ "اصل سرمایہ" قرار پایا۔ آج یہ حال ہے تو ساٹھ برس قبل اس "سرمایہ" کو چیلنج کرنا کتنا مشکل ہوگا۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک بار پھر دنیا چراغِ مصطفوی ﷺ سے شرار بولہبی کی آویز کا تماشہ دیکھ رہی تھی ایک طرف اس سرزمین پر بلال و بوذر کے وارث غریب کارکن اور مولوی تھے تو دوسری طرف پورے خطہ کے "ظالم دِہہ خدا" جن کے لئے اقبال مرحوم نے کہا:

خواجہ از خونِ رگِ مزدور ساز و لعل ناب
از جفائے دہ خدایا کشت دہقاناں خراب

اور اقبال نے یہ بھی واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ کس ملت اور قوم کو سروری اور کامیابی سے نوازتا اور کس کو محروم کرتا ہے۔ اس نے کہا

خدا آں ملتے را سروری داد
کہ تقدیرش بدست خویش ــــــ
بہ آں قومے سرو کارے نہ دارد
کہ دہقانش برائے دیگراں کشت

یہاں دیہاتوں میں لوگ اس لئے جیتے ہیں کہ دِہہ خداؤں کے لئے کھیتیاں اگائیں، ان کے غلہ کے انبار بھریں اور ان کے عشرت کدے آباد رہیں۔ اور ضرورت پڑنے پر ان کے مفادات کے لئے اپنی جانیں بھی گنوا دیں۔ آج بھی اس سے ملتا جلتا حال ہے۔ ساٹھ سال قبل کیا ہوگا جب تک اُس دور کے صحیح حالات سامنے نہ ہوں احرار اور گل شیر کی جدوجہد کا اندازہ ممکن نہیں۔ صحافت و ادب کے نام پر کاروبار کرنے والے اور قلم کو بکاؤ مال بنانے والے صحافی، دانشور، ادیب اور نام نہاد مؤرخ اندازہ ہی نہیں کر سکتے کہ اُس دور میں سامراج کے ان مضبوط قلعوں پر بمباری کتنی مشکل اور کتنا جان جوکھوں کا کام تھا۔ آج لوگ سوال کرتے ہیں کہ میرے ضلع کے جڑواں ضلع میانوالی اور اس سے جڑواں اٹک (سابقہ کیمبل پور) کی سرزمین پر "گل شہیر" نے کیا جرم کیا تھا کہ اسے رات کی تاریکی میں اپنے گھر میں موت کی وادیوں میں دھکیل دیا گیا؟ کون سے وہ لوگ تھے جنہوں نے اس کے خون سے ہاتھ رنگے؟ ہم نے اپنے ضلع اور اپنے والد کے حوالہ سے جو واقعہ ابتداء میں بیان کیا اس سے اس خطہ کے جاگیرداروں کی ذہنیت سامنے آجاتی ہے۔ یہ لوگ اپنے خطہ کے بسنے والے ہر شخص کو اپنا غلام قرار دیتے اور ایک ایسی مشین کا پرزہ سمجھتے جس کا کام ان کے لئے وسائل کی فراہمی ہے۔ لیکن آگے چل کر یہ بھی خیال کرتے کہ وسائل فراہم کرنے والوں کا وسائل میں کوئی حصہ نہیں اُن کا کام اُگانا اور تیار کرنا ہے ہمارا کام کھانا اور گلچھرے اُڑانا ہے۔ مالی اور باغباں کا کام یہ ہے کہ وہ گلاب و چنبیلی کے پودے اُگائے اُن کی حفاظت کرے لیکن ان کے پھول ان کی کٹیا کے گلدستہ کی زینت نہیں بن سکتے وہ تو کسی اور ہی کے بنگلے کے گلدستے کی زینت بنتے ہیں۔

مولانا گل شیر شہید جو ضلع اٹک کے [illegible] انہیں اس جاگیر زدہ ماحول میں قرآن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی روشنی میسر آئی تو بقول عطاء اللہ شاہ بخاری ان کے اندر آگ لگ گئی۔ قرآن اقبال کے الفاظ میں خواجہ (مراعات یافتہ طبقات) کے لئے پیغام مرگ ہے۔ قرآن نے انسانوں کو بتلایا کہ تمہارا باپ اور تمہاری ماں ایک تھے۔ کتنے قبیلے، برادریاں مختصر تعارف کا ذریعہ ہیں۔ ان میں عظمت کی کوئی بات نہیں۔ عظمت تو خدا خوفی، تقویٰ اور خدمت انسانیت میں ہے۔ اس سبق سے لوگ نا آشنا تھے۔ مولانا گل شیر کا شجرۂ علمی ایسے لوگوں سے وابستہ تھا جنہوں نے اس دھرتی پر قرآن کی روشنی پھیلائی۔ امام ولی اللہ دہلوی اور ان کے خاندان کی اس کتاب مبین حوالہ سے خدمات کی ساری تاریخ گل شیر کے ذہن میں تھی۔ اسیر فرنگ شیخ الہند مولانا محمود احسن دیوبندی کی وصیت اس کے کانوں میں گونج رہی تھی کہ قرآن کا علم پھیلاؤ تاکہ ذلت سے نجات حاصل ہو۔ قدرت نے اس گبھرو جوان کو علم کی دولت سرمدی عطاء فرمائی۔ لحن داؤد بخشا۔ اس نے خاص لے میں اس ظلمت کدہ میں قرآن کی روشنی پھیلائی۔ بعض بزرگوں سے مجھے معلوم ہوا کہ پورے ہندوستان میں جس طرح سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی قرآن خوانی کا شہرہ تھا اسی طرح اس علاقہ میں مولانا گل شیر کی قرآن خوانی کا چرچا تھا۔ مولانا گل شیر ابتداء میں ایک دیہاتی انداز کے واعظ تھے۔ لیکن مخصوص اسباب نے ان کا رشتہ مجلس احرار سے جوڑا تو انہوں نے اپنی تمام تر قدرتی صلاحیتوں کو مظلوم طبقات کی بہتری کے لئے وقف کر دیا۔ مولانا گل شیر ایک مخلص مسلمان تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے امتی، علاقہ کا حال یہ تھا کہ ایک شخص کئی کئی ہزار ایکڑ کا مالک تھا میلوں تک ایک ایک جاگیردار کی زمین تھی۔ زرعی، بارانی، چراگاہ، الغرض ہر جگہ اس کا قبضہ تھا۔ مولانا دیکھتے کہ ایک طرف وہ اشخاص تھے بڑی محدود تعداد میں جن کے جوتے چمک دار ہیں لیکن اکثریت ان کی ہے جن کے چہروں تک پر چمک نہیں تو مولانا کا دل بے قرار ہو جاتا۔ انہوں نے قرآن مجید کو ایک زندہ کتاب کے طور پر اس طرح پیش کیا کہ علاقہ کے ستم رسیدہ مسلمان بیدار ہونے لگے۔ انہیں "معرفت ذات" کی سعادت میسر آئی۔ اپنی حیثیت کا اندازہ ہوا۔ اور یہ سبق ملا کہ حقوق مانگنے سے نہیں چھیننے سے میسر آتے ہیں۔ احرار کا نقطۂ نظر یہ تھا اور بالکل صحیح کہ "یہ زمین محض امراء کی جولان گاہ نہیں اس میں غرباء کا بھی حصہ ہے" یہ بات قرآن و سنت کی تعلیم کا نچوڑ تھا۔ مولانا نے اس نچوڑ کو دنیا کے سامنے رکھا تو جاگیردار کے محل میں زلزلہ آ گیا۔ ایک نہیں پورے علاقہ میں موجود جاگیردار لرزنے لگے، سوچنے لگے کہ یہی شب و روز رہے تو کل ہمیں مزارع ملے گا نہ مفت کا مزدور، اُدھر یہ ہوا کہ مولانا نے دیکھا کہ علاقہ میں جو تھوڑا بہت کاروباری نظام ہے اس پر غیر مسلم قابض ہیں۔ چونکہ عام مسلمان جاگیرداروں کا قرب غیر مسلموں کو حاصل تھا اسلئے غیر مسلموں کے لئے کاروباری سہولتیں موجود تھیں۔ غریب مسلمان مزارع اور کاشتکار ان سے سودا سلف لیتے لیکن اُدھار اور اس کا نتیجہ آخر میں یہ نکلتا کہ غریب مسلمان کا برائے نام مکان یا ۲، ۴ مرلہ زمین گروی ہو جاتی۔ اس پس منظر میں مولانا نے اپنے علاقہ میں امداد باہمی کے اصول پر مسلمانوں کو تجارتی رخ پر ڈالا۔ اس سے جہاں غیر مسلم حضرات کی ناراضی سامنے آئی وہیں ان کے حقیقی سرپرست نام نہاد مسلمان وڈیرے بھی بگڑے اور انہیں اس بات کا مزید احساس ہوا کہ یہی شب و روز رہے تو علاقہ کے غریب باسی ہمارے ہاتھوں سے نکل جائیں گے۔ وہ اس تمام صورت حال کا ذمہ دار مولانا گل شیر کو قرار دیتے اور یہی چیز بالآخر مولانا کی شہادت کا سبب بنی۔ مولانا شہید ہو گئے گویا انہیں دائمی زندگی میسر آ گئی اور آج بھی بڑے بوڑھے ان کے نام پر آبدیدہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن جن لوگوں نے ان کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خون سے ہاتھ رنگے ان میں سب سے عبرت ناک انجام کالا باغ کے نوابوں کا ہوا۔ جو اس سازش کے روح رواں تھے اور اٹک میں ان کی وسیع رشتہ داریاں تھیں۔ آج ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک عوام میں بیداری کی جو لہر ہے اس کا اصل سہرا انہیں شہیدانِ اسلام اور مخلص کارکنانِ ملت کے سر ہے جنہوں نے ہر قسم کی قربانی دے کر ظلم کی زنجیریں توڑیں۔ افسوس کہ وہ قافلہ لٹ گیا اور اس انداز کی جدوجہد نہ رہی بلکہ ان گرامی قدر بزرگوں کے بہت سے نام لیوا ایک خاص قسم کے اسلام کی ترجمانی میں لگ گئے۔ وہی اسلام جو "خواجہ" کا محافظ ہے اور جس میں غریب کے لئے کچھ نہیں لیکن مجھے یقین ہے کہ مولانا مرحوم جیسے ہزاروں مخلص انسانوں کی قربانیاں رنگ لائیں گی اور اس دھرتی پر حریت و مساوات اور انصاف کا سورج ضرور طلوع ہو گا۔

واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر

مصنف: مولانا عتیق الرحمن سنبھلی

مقدمہ: مفکر اسلام حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

جس میں واقعہ کربلاء سے متعلق افسانوی کہانیوں کی اصل حقیقت سے پردہ اٹھایا گیا ہے

تاریخ و سیرت سے دلچسپی رکھنے والے ہر باذوق قاری کے لئے انتہائی اہم کتاب

قیمت ۶۰ روپے

بخاری اکیڈمی دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

راوی پبلشرز۔ الفضل مارکیٹ، اردو بازار لاہور

© rasailojaraid.com